اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی

(۶)

زندگی کا نصب العین

یہاں تک دو امور کی تشریح کی جا چکی ہے۔ ایک یہ کہ اسلام نے کس چیز کو زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے؟ دوسرے یہ کہ وہ کن وجوہ سے ایک بہترین نصب العین ہے؟ اب ہمیں اس مسئلہ کے تیسرے پہلو کی طرف نظر کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کو ایک مخصوص تہذیب بنانے میں اس نصب العین کا کیا حصہ ہے اور اس نے اس تہذیب کو کونسی خصوصی شان بخشی ہے؟

طریقوں کے امتیاز میں مقصد کی تعیین کا اثر پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں جس طرح مقصد کی تعیین ضروری ہے، اسی طرح طریقِ حصولِ مقصد کی تعیین بھی ضروری ہے۔ اور طریقہ کی تعیین، مقصد کی مناسبت کے سوا کسی اور بنیاد پر نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی شخص کے پیش نظر نفس سلوک و سیر کے سوا کوئی متعین شے مقصود نہ ہو اور وہ محض راستوں اور گلیوں کی خاک چھانتا پھرے تو ہم اس کو مجنون یا آوارہ گرد کہتے ہیں۔ اور اگر وہ مقصد تو رکھتا ہو لیکن اس کی تحصیل کے مختلف طریقوں میں سے کسی خاص طریقہ کا پابند نہ ہو، بلکہ ہر اس طریقہ پر چلنے کے لئے طیار ہو جائے جس پر اسے موصل الی المقصود ہونے کا گمان ہو، تو اس کو بھی ہم احمق قرار دیتے ہیں کیونکہ ازروئے عقل ایسا شخص کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا جو ایک مقام کی طرف جانے کے لئے دس مختلف راستوں پر چلنے کی کوشش کرتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا مقصود تو کسی چیز کو قرار دے اور راستہ ایسا اختیار کرے جو اس کے مخالف سمت میں جانے والا ہو، تو اس کو بھی ہم صاحب عقل نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس اعرابی کے مانند ہے جو کعبہ کی طرف جانے کے لئے ترکستان کی راہ پر چل رہا ہو۔ پس انسان کی عملی

کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سلوک کے لئے پہلے ایک مقصد متعین کرے، پھر اپنی نیتوں اور کوششوں کا رخ اسی مقصد کی طرف پھیر دے، اور اگر اس مقصد تک پہنچنے کے بہت سے رستے ہوں تو ان میں سے ایک رستے کو اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہو، اور اس کے سوا دوسرے تمام راستوں کو چھوڑ دے۔

یہ ترک و اختیار عین مقتضائے عقل ہے اور مقصد کی تعیین کا عقلی نتیجہ یہی ہے کہ جو طریقہ اس مقصد سے خاص طور پر مناسبت رکھتا ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ اور دوسرے تمام طریقوں کو ترک کر دیا جائے ایک صاحب عقل آدمی جب سفر کرتا ہے تو اسی ایک راستہ پر چلتا ہے جو ..... منزل مقصود تک پہنچانے والے راستوں میں سب سے بہتر ہو۔ اس کے سوا اور بیسیوں راستے جو اس کو دوران سفر میں ملتے ہیں۔ ان کی طرف وہ التفات بھی نہیں کرتا۔ ایک عقلمند طالب علم اپنے لئے علم کا وہی شعبہ اختیار کرتا ہے جو اس کے نصب العین کی تحصیل میں سب سے زیادہ مددگار ہوتا ہے۔ دوسرے جتنے شعبے اس سے غیر متعلق ہوتے ہیں ان میں اپنا وقت اور اپنا دماغ کھپانا وہ پسند نہیں کرتا ایک زیرک و دانا سوداگر اپنے لئے کاروبار کا وہی طریقہ اختیار کرتا ہے جو اس کے نزدیک حصول مراد کا بہترین وسیلہ ہو سکتا ہو۔ ہر کام میں اپنا سرمایہ لگانا اور ہر پیشہ میں اپنی محنت صرف کرنا وہ حماقت سمجھتا ہے اس ترک و اختیار کے فعل پر ایک نقاد اگر بحث کر سکتا ہے، تو وہ صرف اس حیثیت سے کہ جو راستہ اختیار کیا گیا ہے وہ مقصود تک پہنچانے کے لئے بہترین ہے یا نہیں؟ لیکن نفس ترک و اختیار پر کوئی اعتراض ممکن نہیں ہے۔

یہ اصل جس طرح زندگی کے جزئی معاملات پر منطبق ہوتی ہے، اسی طرح من حیث المجموع پوری زندگی پر بھی منطبق ہوتی ہے اگر انسان اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہ رکھتا ہو، یا بالفاظ دیگر جینے سے اس کا مقصود محض جینا ہو تو وہ آزاد ہے کہ زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔ اس کے لئے طریقوں کے درمیان اچھے اور برے صحیح اور غلط، اعلیٰ اور اسفل کا امتیاز محض بے معنی ہے۔ وہ اپنی خواہشات اور حاجات کو جس طرح چاہے پورا کر سکتا ہے۔ بیرونی اسباب کسی حد تک اسے ایک خاص طریقہ کی پابندی پر مجبور بھی کریں، تو یہ اس کی زندگی کو

کسی نظم اور ضابطہ کے تحت لانے میں کارگر نہیں ہو سکتے کیونکہ انضباط کا کوئی مبداء محرک خود اس کے اپنے نفس میں موجود نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر وہ اپنے پیش نظر زندگی کا کوئی مقصد رکھتا ہو، یا زیادہ صحیح الفاظ میں زندگی کے حیوانی طبعی مقصد سے بالاتر کوئی عقلی انسانی مقصد اس کے ذہن میں جاگزیں ہو، تو لازماً وہ طریقوں کے درمیان امتیاز کریگا اور اگر حقیقت میں وہ ایک صاحب عقل انسان ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ زندگی بسر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو جو اس کے مقصد کی تحصیل کے لئے زیادہ مناسب ہو اختیار کرلے۔ ایک مقصد متعین کرلینے کے بعد طریقوں میں وہی آزادی برتنا جو صرف ایک بے مقصد انسان کا حق ہے، اس کے لئے کسی طرح جائز نہ ہوگا۔

اب اس قاعدہ کو ذرا وسیع کیجئے فرد کی جگہ جماعت کو رکھ کر دیکھیے کہ یہی قاعدہ بالکل اسی طرح مجموعۂ افراد پر بھی جاری ہوتا ہے جب تک کوئی جماعت، مدنیت کے ابتدائی مدارج میں ہوتی ہے اور زندگی کے حیوانی طبعی مقاصد سے اعلیٰ و ارفع کوئی مقصد اس کے پیش نظر نہیں ہوتا، وہ اپنے طور طریقوں میں اسی طرح آزاد رہتی ہے جس طرح ایک بے مقصد انسان ہوا کرتا ہے مگر جب ارتقاء عقلی اور نہضت مدنی کے زیادہ اونچے مدارج پر پہنچکر اس میں ایک تہذیب پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ تہذیب اس کے لئے اجتماعی زندگی کا کوئی عقلی مقصد متعین کر دیتی ہے۔ تو یہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ اس مقصد کی مناسبت سے عقاید و تصورات، معاملات، اخلاق معاشرت معیشت وغیرہ کے لئے ایک خاص نظام وضع کیا جائے وہ تہذیب اپنے متبعین کو اس نظام کا پابند بنائے اور ان کے لئے اس امر کی آزادی باقی نہ رہنے دے کہ وہ اس کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی ایسے عقیدہ یا طرز عمل کو اختیار کرلیں جو اس نظام سے خارج ہو۔

اپنے اس ضابطہ کی حفاظت میں سختی کرنا تہذیب کی فطرت کا عین مقتضا ہے۔ اس باب میں جس تہذیب کی گرفت ڈھیلی ہوگی، اور جس کی قوت ضابطہ میں ضعف اور سستی پائی جائے گی وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی کیونکہ تہذیب کا وجود منحصر ہے اسی پر کہ عقیدہ اور عمل کا جو نظام اس نے وضع کیا ہے، اس کے متبعین اس کی

پابندی کریں جب متبعین ہی اس کی پابندی نہ ہوگی اور اس نظام سے باہر کے تصورات اور طور طریقے ان کے ذہن اور ان کی عملی زندگی پر قابض ہو جائیں گے تو تہذیب کا کوئی واقعی وجود باقی نہ رہے گا لہٰذا ایک تہذیب اپنے متبعین سے اپنے وضع کردہ نظام کی پابندی کا مطالبہ کرنے، اور دوسرے خارجی نظامات سے علیحدگی پر اصرار کرنے میں بالکل حق بجانب ہے۔ نقاد اگر کچھ کلام کر سکتا ہے تو اس کے مقصد کے صحیح یا غلط ہونے پر کر سکتا ہے، یا اس پر کر سکتا ہے کہ اس مقصد کے لئے یہ خاص طریقہ مناسب ہے یا نہیں یا اس پر کر سکتا ہے کہ اس نظام کی پابندی تمام حالات میں ممکن ہے یا نہیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس تہذیب کو اپنے متبعین سے اپنے وضع کردہ نظام کی پابندی کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

پھر جب یہ قاعدہ مسلم ہو چکا ہے کہ ذہنی اور عملی زندگی کے لئے جو خاص طریقے اور مناہج متعین کئے جاتے ہیں، ان کی تعیین دراصل مقصد کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے اور مقاصد کے اختلاف سے طریقوں اور منہجوں کا مختلف ہونا ضروری ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو تہذیبیں اپنے مقاصد میں مختلف ہوں ان کے اعتقادی اور عملی نظامات لازمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہونے چاہئیں یہ ممکن ہے کہ وہ نظام اپنے بعض اجزاء میں باہم متشابہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک نظام میں بعض جزئیات دوسرے نظام سے آگئی ہوں لیکن نہ تو جزئی تشابہات سے کلی موافقت کا حکم نکالا جا سکتا ہے اور نہ جزئیات کے مستعار لینے سے کل کا مستعار ہونا لازم آتا ہے۔ اسی اصل سے دو قاعدے اور نکلتے ہیں۔

ایک یہ کہ ایک خاص مقصد رکھنے والی تہذیب کے نظام کو جانچنے کے لئے دوسری جداگانہ مقصد رکھنے والی تہذیب کے نظام کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ یعنی تنقید کا یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ یہ نظام اگر اس نظام سے مطابقت رکھتا ہے تو صحیح ہے۔ ورنہ غلط۔

دوسرے یہ کہ ایک تہذیب کو بجائے خود باقی رکھتے ہوئے اس کے اعتقادی اور عملی نظام کو دوسرے نظام سے نہیں بدلا جا سکتا اور نہ ایک نظام کے اساسی اجزاء دوسرے نظام میں داخل کئے جا سکتے ہیں۔ جو شخص اس قسم کے

غلط ملط کو ممکن یا درست سمجھتا ہے، وہ تہذیب کے اصول سے ناواقف ہے، اور اس کے مزاج کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

اسلامی تہذیب کی تشکیل میں اس کے نصب العین کا حصہ

ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کو ایک بالکل جداگانہ اور مخصوص تہذیب بنانے میں اس کے نصب العین کا کیا حصہ ہے؟

پچھلے مباحث میں یہ بات پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ اسلام نے زندگی کا جو نصب العین مقرر کیا ہے وہ دوسرے ادیان اور دوسری تہذیبوں کے نصب العین سے اصلاً مختلف ہے اور یہ ابھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ مقصد کے اختلاف سے اعتقاد و عمل کے نظام میں بنیادی اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے نصب العین نے اس کو ایک ایسی مخصوص تہذیب بنا دیا ہے جو بنیادی طور پر دوسری تہذیبوں سے مختلف ہے، اور جس کا اعتقادی و عملی نظام، دوسرے نظامات سے اساسی اختلاف رکھتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس نظام کے بعض اجزا دوسرے نظامات میں بھی پائے جاتے ہوں لیکن یہاں وہ اجزا بعینہ اس حیثیت سے مندرج نہیں ہیں جس حیثیت سے وہ دوسرے نظامات میں مندرج ہیں۔ کسی نظام میں مندرج ہونے کے بعد جزو اپنی شخصی طبیعت کو گم کرکے کل کی طبیعت اختیار کر لیتا ہے، اور جب ایک کل کی طبیعت دوسرے کل سے مختلف ہو تو لازماً اس کے ہر جزو کی طبیعت بھی دوسرے کے ہر جزو کی طبیعت سے مختلف ہوگی، خواہ اس کے بعض اجزا اپنی ظاہری شکل میں دوسرے کے بعض اجزا سے کتنی ہی مشابہت رکھتے ہوں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اسلام نے انسان کو دنیا میں خدا کا نائب قرار دیا ہے۔ اور اس کی زندگی کا مقصد یہ متعین کیا ہے کہ جس آقا کا وہ نائب ہے اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ یہ مقصد چونکہ عین اس کی زندگی کا مقصد ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کے تمام اعمال کا رخ اسی مقصد کی طرف پھر جائے، اس کے نفس اور اس کے جسم کی تمام قوتیں اسی مقصد کی راہ میں صرف ہوں۔ اس کے

خیالات، و تصورات اور حرکات و سکنات پر اسی مقصد کی حکومت ہو، اس کا جینا اور مرنا، اس کا سونا اور جاگنا، اس کا کھانا اور پینا، اس کے معاملات اور تعلقات، اس کی دوستی اور دشمنی، اس کی معیشت اور معاشرت، غرض اس کی ہر چیز اسی ایک مقصد کے لئے ہو ، اور یہ مقصد اس کے اندر اس طرح ساری و جاری ہو جائے کہ گویا وہی اس کی وہ روح ہے جس کی بدولت وہ زندہ اور متحرک ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی زندگی کا یہ مقصد رکھتا ہو، اور اسی مقصد کے لئے زندہ ہو، وہ اس شخص کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتا جس کے پیش نظر کوئی مقصد نہ ہو، یا اگر ہو بھی تو اس خاص مقصد سے مختلف ہو۔ یہ مقصد تو اپنی عین فطرت کے اعتبار سے انسان کو ایک عامل اور کارکن ہستی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسا عامل اور کارکن جو زندہ ہی صرف اس لئے کہ اپنے زندگی کے مقصد کو حاصل کرے۔

پس یہ مقصد متعین کرنے کے بعد اسلام زندگی بسر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک خاص طریقہ کو انتخاب کرتا ہے اور انسان کو مجبور کرتا ہے کہ اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ پر چل کر اپنے عزیز وقت اور اپنی قیمتی طاقتوں کو ضائع نہ کرے۔ وہ اس مقصد کی طبیعت و فطرت کے مطابق عقاید اور اعمال کا ایک جداگانہ نظام وضع کرتا ہے، اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس خاص نظام سے کسی حالت میں باہر نہ جائے۔ وہ اس نظام کو سراسر اطاعت اور عین انقیاد قرار دیتا ہے، اس لئے اس کا نام ہی "دین" رکھ دیتا ہے جس کے معنی اطاعت اور انقیاد کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ:-

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (۳ : ۲) دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے،

اسی دین کی بنیاد پر وہ اپنے متبعین اور غیر متبعین کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے جو لوگ اس خاص مقصد کے تحت اس نظام دینی کا اتباع کرتے ہیں ان کو "مسلم" (اطاعت کرنے والے) اور "مومن" (ماننے والے) کہتا ہے اور جو اس مقصد سے متفق نہیں ہیں اور اس نظام دین کا اتباع نہیں کرتے ان کو "کافر"[1] (انکار کرنے والا) قرار دیتا ہے۔ وہ نسل، قوم، زبان، وطن، اور ایسے ہی دوسرے تمام

[1] لفظ کافر کے استعمال میں بھی بے نظیر بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ لغت عرب میں "کفر" کے معنی چھپانے کے ہیں

امتیازات کو مٹا کر اولاد آدم میں صرف اسی ایک کفر و ایمان کے امتیاز کو قائم کرتا ہے۔ جو کوئی اس کے نظام کا اتباع کرے وہ اس کا اپنا ہے، خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ اور جو اس کے نظام کا اتباع نہ کرے وہ غیر ہے، خواہ وہ عین کعبہ کی دیوار ہی کے نیچے کیوں نہ رہتا ہو، اور اس کی ہڈی بوٹی مکہ کی کھجوروں اور زمزم کے پانی ہی سے کیوں نہ بنی ہو۔

جس طرح اس نے عقائد اور اعمال کی بنا پر انسانوں کے درمیان "کفر" اور "ایمان" کا امتیاز قائم کیا ہے، اسی طرح زندگی بسر کرنے کے طریقوں اور دنیا کی تمام چیزوں کے درمیان بھی اس نے حرام اور حلال، جائز اور ناجائز، مکروہ اور مستحسن کا امتیاز قائم کیا ہے۔ جو اعمال اور طور طریقے اس مقصد کی تحصیل اور فرائض خلافت کی بجا آوری میں مددگار ہیں وہ اپنے درجہ کے لحاظ سے مستحسن ہیں یا حلال ہیں یا جائز اور جو اس میں مزاحم اور مانع ہیں وہ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے مکروہ ہیں یا ناجائز یا حرام۔ جو مومن اس خط امتیاز کا احترام کرے وہ "متقی" (پرہیزگار) ہے اور جو اس کا احترام نہ کرے وہ "فاسق" (حدود سے نکل جانے والا) ہے۔ اللہ کی پارٹی کے لوگوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ کا امتیاز مال و دولت، یا حسب و نسب، یا مراتب معاشرت یا رنگ کی سیاہی و سپیدی پر مبنی نہیں ہے، بلکہ صرف "تقویٰ" کی بنا پر ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹ : ۲)

اس طرح تصورات و افکار، اخلاق و خصائل، معیشت و معاشرت، تمدن و عمران، سیاست و حکومت غرض انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تہذیب کا راستہ دوسری تہذیبوں کے راستہ سے الگ ہو جاتا

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷)، اسی لئے رات کو "کافر" کہا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو چھپا دیتی ہے۔ اور کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اور خوشہ کو کافور کہتے ہیں کہ وہ پھل کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے پھر استعارہ کے طور پر نعمت کے چھپانے اور اس کا شکر ادا نہ کرنے کو "کفر" اور "کفران" کہا گیا۔ اسلام نے اس لفظ کو ایمان کی ضد قرار دیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ در اصل اپنی فطرت اور جبلت پر پردہ ڈالتے ہیں۔

ہے۔ زندگی کے متعلق اسلام کا نظریہ دوسری تہذیبوں کے نظریہ سے الگ ہے۔ زندگی کا مقصد اسلام کے نزدیک اس مقصد سے مختلف ہے جو دوسری تہذیبوں نے متعین کیا ہے۔ لہٰذا اسلام اپنے نظریہ کے مطابق دنیا اور مافیہا سے جو معاملہ برتتا ہے، اور اپنے مقصد کی تحصیل کے لئے دنیوی زندگی میں جو طریقہ اختیار کرتا ہے، وہ بھی بنیادی طور پر اس معاملہ اور اس طریقہ سے مختلف ہے جو دوسری تہذیبوں نے اختیار کیا ہے۔ ذہن کے بہت سے افکار و تصورات، نفس کے بہت سے میلانات و رجحانات اور زندگی بسر کرنے کے بہت سے طریقے ایسے ہیں جن کا اتباع دوسری تہذیبوں کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات لازمۂ تہذیب ہے۔ مگر اسلام ان کو ناجائز، مکروہ اور بعض حالات میں حرام قرار دینے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن تہذیبوں کے تصور حیات سے عین مطابقت رکھتے ہیں اور اُن کے مقصد زندگی کی تحصیل میں مددگار ہوتے ہیں، مگر اسلام کے تصور حیات سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں، اور اس کے مقصد زندگی کی تحصیل میں وہ مانع ہیں۔ مثال کے طور پر فنون لطیفہ دنیا کی بہت سی تہذیبوں میں جان تہذیب ہیں۔ اور ان فنون میں اعلیٰ مہارت رکھنے والوں کو قومی ہیرو کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام ان میں سے بعض کو حرام، بعض کو مکروہ اور بعض کو ایک حد تک جائز قرار دیتا ہے۔ اس کے قانون میں ذوق لطیف کی پرورش، اور جمال مصنوعی سے لطف اندوزی کی اجازت صرف اس حد تک ہے جہاں انسان اس کے ساتھ خدا کو یاد رکھ سکے۔ اس کی رضا جوئی کے لئے عمل کر سکے۔ اپنے منصب خلافت کے فرائض بجا لا سکے مگر جس مقام پر پہنچ کر یہ ذوق لطیف، احساس فرض پر غالب آجاتا ہو، جہاں لطف اندوزی کا انہماک انسان کو خدا پرست کے بجائے حسن پرست بنا دیتا ہو جہاں فنون لطیفہ کی چاشنی سے انسان کو عیش پسندی کا چسکا لگ جاتا ہو۔ جہاں ان فنون کے اثر سے جذبات و داعیات نفس اس قدر قوت و شدت حاصل کر لیتے ہوں کہ عقل کی گرفت ڈھیلی ہو جائے ضمیر کی آواز کیلئے دل کے کان بہرے ہو جائیں، اور فرض کی پکار کے لئے سمع و طاعت باقی نہ رہے، تو اس سرحد پر اسلام عدم جواز، کراہت اور حرمت کے موانع قائم کر دیتا ہے اس لئے کہ اس کا مقصد تان سین اور بندادین، مانی اور بہزاد، چارلی چیپلن، اور میری پکفورڈ پیدا کرنا نہیں ہے

بلکہ وہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ علیؓ بن ابی طالبؓ اور حسین ابن علیؓ ابوذر غفاریؓ اور رابعہ بصریہ پیدا کرنا چاہتا ہے

یہی حال معاشرت اور تمدن کے اور بہت سے معاملات میں بھی ہے جن کی تفصیلات کو اوپر کی مثال پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عورتوں اور مردوں کے تعلقات، مالدار اور مفلس کے معاملات راعی اور رعیت کے روابط اور انسانی طبقات کے باہمی برتاؤ کے متعلق اسلام کا طریقہ تمام قدیم اور جدید تہذیبوں کے طریقہ سے اصولی طور پر مختلف ہے۔ اس باب میں دوسری تہذیبوں کے نظام کو معیار قرار دینا اور اسلام کے نظام کو اس پر جانچنے کی کوشش کرنا اصلاً غلط ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ سطح بین اور حقیقت نا آشنا ہیں۔

(باقی)

دنیا قرآنی دنیا کب ہوگی؟

اے حاکم مطلق خدا! تیری وہ شانِ حاکمیت کب ظاہر ہوگی جبکہ روئے زمین کے سارے حکمران اور ان کی ساری رعیت تیرے حکموں پر چلے گی، تیرے آسمانی قوانین پر سر جھکائے گی اور صرف تیری حکومیت کا دم بھرے گی؟

اے معبود مطلق خدا! وہ وقت کب آئے گا جبکہ ہر فرد انسان تیری اور صرف تیری پرستش و عبادت اور صرف تیری عبادت کرتا نظر آئے گا؟

اے سراپا جمال خدا! آخر وہ جلوہ نمائی کب ہوگی جبکہ بنی آدم کو تیری اور فقط تیری محبت ہوگی اور ان کے پاس جو کچھ ہوگا وہ سب تجھ پر نثار کرنے کے لئے ہوگا؟

اے میرے خدا! دنیا قرآنی دنیا کب ہوگی؟ کیونکہ جو کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ تیری اسی پاک کتاب کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

"مصلح"